قسط نمبر:1

بیع الحقوق عصر حاضر میں

مفتی عامر نواز صاحب
جامعہ المرکز الاسلامی پاکستان

''تمہید''

حامداً ومصلیاً:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام آنبیاء کرام کی خاتم ہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت کا دروازہ بند ہوگیا ہے۔آپ ﷺ نے دین اسلام کی تکمیل فرمائی ہے جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

" **الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا** "

مطلب یہی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو کتاب لائے ہیں۔وہی ضابطہ حیات ہے پوری انسانیت کیلئے اس کتاب میں رہنمائی موجود ہے۔خواہ پتھر والے زمانے کے لوگ ہو یا آج کے اس ترقی یافتہ دور کے لوگ ہو۔غرض قیامت تک کے لوگوں کیلئے یہ کتاب لاریب مشعل راہ ہے۔جو شخص اس کلام اللہ کے ہدایات پر عمل کر کے چلے گا۔تو منزل مقصود تک آسانی کیساتھ پہنچ جائے گا۔اسی طرح کلام الٰہی کو لانے والے کے ارشادات جو دراصل اس کلام الٰہی کی تشریح اور تفسیر ہے، پر عمل کرنا بھی ضروری ہے۔جس کو'' حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم'' کہتے ہے۔

لہٰذا قرآن وحدیث دونوں پر عمل کرنا ضروری ہے اس لئے کہ قرآن مجید اصول وکلیات کو بیان کرتا ہے۔اور جزیات وفروغ کی تفصیل سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تبیین ہی سے ہوسکتی ہے، اور جزیات لامتناہی ہوتے ہیں بلکہ زمانے کے ساتھ بدلتے رہتے ہیں اس لئے حکم دے دیا گیا کہ قرآن وسنت کو ہی اصل سمجھو اور مانو اور جو کچھ پاؤ، انہی ہی سے پاؤ۔اور امت مسلمہ کی رہنمائی کیلئے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی جماعت تیار کی گئی اور پھر انہوں نے بدلتی دنیا کے حالات کو سمجھا اور انسانیت کی رہنمائی کا حق آدا کیا اور امت مسلمہ کو حکم دیا کہ:

" **فاعتبروا یا اولی الابصار** "

ترجمہ:..... کہ اے سمجھ والو سمجھو اپنی عقل کو استعمال کرو۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک کلمہ گو کو قتل کر دیا کیونکہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے سے مطمئن نہیں تھا۔ تو آیت نازل ہوئی۔

" فلا وربک لا یؤ مسنون حتی یحکمون فیما شجر بینھم "

کہ عمر فاروقؓ کا اعتبار معتبر ہے۔ ہمیں منظور ہے۔ انہی صحابہ کرام رضی اللہ عنھم اجمعین والی جماعت کی اعتبار کو جسے فقہاء قیاس کہتے ہیں، سکھانے کیلئے خاتم النبیین سے کہا گیا:

" وشاورھم فی الامر "

اس جماعت کی رائے لیا کیجئے تا کہ آئندہ معاملات کی جدید صورتوں کا قرآن وحدیث کی روشنی میں حل تلاش کر سکے اس لئے کہا گیا کہ: " القیا س مظھر لا مثبت "

قدرت نے صحابہ کرام رضی اللہ عنھم اجمعین کیلئے ایسا انتظام کیا اور ایسے مواقع فراہم کیے تا کہ آنے والی امت کو نمونے ملے اور قدرت کو یہی منظور تھا۔ ورنہ: " حفاۃ عراۃ یتطالو ن فی البنیان " کاسیات، عاریات اور " لا یبقی فیہ بیت مدر " جیسی پیشن گوئی کرنے والا آقا اگر قیامت تک آنے والے سارے مسائل کا حل پیش کر دیتے تو: " الراسخون فی العلم " . اور کا انبیا ء بنی اسرئیل والی جماعت کیسے وجود میں آتی اور ان کا کام ہی کیا رہ جاتا " خیر امۃ " کیسے کہلاتی، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: " فاسئلو اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون " . اہل ذکر کا وجود نہ ہوتا تو " لاتعلمون " کس سے سوال کرتے؟ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ " فلیبلغ المشاھد الغائب ، فرب حامل فقہ الی من ھو افقہ منہ " . افقہ کیسے دنیا میں آتے اور کیوں آتے؟ الغرض یہ بات سکھانی مقصود تھی کہ جب ضرورت پیش آئے تو پوچھو، حالات جیسے جیسے پیش آئے اسی کے مطابق پوچھو، اسی کی تحقیق کرو اور تلاش کرو کیونکہ تم ہی نمونہ ہو اور تم ہی النجوم ہو۔

حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ یمن کا عہدہ قضاء سنبھالنے کیلئے روانہ ہونے سے پہلے دربار رسالت ﷺ میں حاضر ہوئے۔ تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا، معاذ فیصلہ کس طرح کرو گے، عرض کیا کتاب اللہ سے فیصلہ کرونگا پھر ارشاد ہوا کہ اگر وہ مسئلہ کتاب اللہ میں نہ ملے، جواب دیا کہ پھر سنت رسول ﷺ سے فیصلہ کرونگا۔ پھر ارشاد ہوا کہ اگر سنت رسول ﷺ میں بھی وہ فیصلہ نہ ملے تو عرض کیا کہ پھر اپنے اجتہاد سے یعنی قیاس سے فیصلہ کرونگا، حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے اس جواب پر دربار رسالت ﷺ سے شاباش ملی، ارشاد ہوا:

" الحمد اللہ الذی وفق رسول رسول اللہ بما یرض بہ رسول اللہ "

کہ وارث نے وارث ہونے کا حق ادا کر دیا۔ پھر نئے نئے حالات پیش آتے رہے، اور صحابہ کرام رضی اللہ عنھم اجمعین وراثت نبوت کو استعمال کرتے رہے۔

بحرحال اس قسم کے واقعات خیرالقرون میں ہوئے جو آئندہ والوں کیلئے رہنمائی کرتے ہیں کہ خدا کی دی ہوئی ابدی ہدایت سے قیامت تک استفادہ کرنے کی راہ قیاس واجتہاد ہے۔جس کے حقدار " الراسخون فی العلم " اور " ورثة الانبیاء " ہیں۔

لہٰذا ان مسائل جدیدہ کا حل تلاش کرنا اور اس میں غور وفکر کرنا اہل علم کا کام ہے۔

موجودہ دور میں سائنس وٹیکنالوجی کی غیر معمولی ترقی، نئی نئی ایجادات واختراعات نے لامحدود مسائل پیدا کردیئے ہیں۔جن کا ماضی میں تصور بھی نہیں تھا۔وقت اور بدلتے ہوئے حالات میں خرید وفروخت کی جدید سے جدید تر طریقے رائج ہوئے ان اشیاء کی خرید وفروخت شروع ہوگئی جو ماضی میں متقوم ہی نہیں سمجھے جاتے تھے۔چونکہ یہ مختصر مقالہ حقوق کے خرید وفروخت کے متعلق ہے۔لہٰذا سب سے پہلے یہ بیان کیا جائے گا کہ:

۱)..... تبادلہ اور خرید وفروخت (بیع) کی حقیقت لغوی اور شرعی کیا ہے ؟

۲)..... مال کسے کہا جاتا ہے ؟

۳)..... مال کا اطلاق صرف مادی اشیاء اور اعیان پر ہوتا ہے یا مال حقوق ومنافع کو بھی شامل ہے ؟

۴)..... خرید وفروخت صرف مادی اشیاء کی ہوسکتی ہے یا حقوق ومنافع کی بیع بھی درست ہے ؟

۵)..... کیا یہ ممکن ہے کہ ایک شے ماضی میں "متقوم" اور مال نہ سمجھی جاتی رہی ہو مگر اس دور میں وہی شے متقوم اور مال ہو وغیرہ۔

اور جب ان چیزوں کی وضاحت ہوجائے۔تو پھر خود بخود (انشاءاللہ) وہ اشکالات جو بیع الحقوق پر وارد ہوتے ہیں اور جن کی وجہ سے بہت سے سوالات لوگوں کے ذہنوں میں پیدا ہورہے ہیں، مرتفع ہوجائیں گے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے۔کہ وہ صحیح بات لکھنے کی توفیق عطاء فرماویں اور اس مختصر کاوش کو طلباء، علماء اور عام تاجر لوگوں کیلئے ذخیرۂ علم بنادیں۔اور خود بندہ کیلئے ذخیرہ آخرت بنادیں۔ آمین یا رب العالمین .

بیع کی لغوی تحقیق:

لغت میں ایک شئی سے دوسری شئی کے تبادلہ کو "بیع" کہا جاتا ہے۔چاہے مال کا تبادلہ، مال سے ہو یا غیر مال سے۔

عبداللہ بن محمود الموصلی الحنفی (م ۶۸۳ھ) نے بیع کی لغوی حقیقت بیان کرتے ہوئے لکھا ہے۔

" البیع فی اللغة : مطلق المبادلة ، و کذالک الشراء، سواء کان فی مال او غیره "

(الاختیار التعلیل المختار : ۳/۲) .

درمختار میں ہے: " هو لغة : مقابلة شئی بشئی مالاً و لا "

(درمختار علی هامش رد المختار : ۵۳/۶ دار الفکر) .

اور دار المنتقی میں لکھا ہے: " تملیک شیءٍ بشیءٍ کان مالا أو لا "

(دارا لمنتقی علی هاش مجمع الانهر: ۳/۲) .

ترجمہ..... یعنی ایک چیز کے ذریعے دوسری چیز کا مالک بنانا لغۃً بیع ہے۔ چاہے یہ تملیک، مال کی ہو یا غیر مال کی۔

اسی طرح القاموس الوحید میں بیع کا معنی مطلق خرید وفروخت کا لکھا گیا ہے ۔ (القاموس الوحید: ص ۱۹۰) ۔

علامہ ابن الہمام نے فخر الاسلام کے حوالے سے نقل کیا ہے۔

لغت میں " مبا دلة المال باالمال " کو بیع کہا جاتا ہے۔

ابن شہاب الرملی نے " مقا بلة الشئی بشئی " کو لغۃً بیع کہا ہے۔ (نہایۃ المحتاج: ۳۸۱/۳)۔

بیع کی ان لغوی تعریفات سے دو/۲ رائے سامنے آتے ہیں۔ ایک یہ کہ بیع کیلئے مال کا مال کیساتھ تبادلہ ہونا ضروری ہے اور دوسری رائے یہ ہے کہ خواہ مال کا مال کیساتھ تبادلہ ہو یا غیر مال کیساتھ تبادلہ ہو، بیع متحقق ہو جائے گا۔

بیع کی شرعی حقیقت:

جس طرح بیع کی لغوی حقیقت کے بارے میں علماء کے اندر اختلاف رائے پایا جاتا ہے بالکل اسی طرح بیع کی شرعی اور اصلاحی حقیقت کے بارے میں بھی علماء کی آرا اور ان کے اقوال میں کافی اختلاف پایا جاتا ہے ایک ہی مسلک کے علماء کے درمیان بھی بیع کی حقیقت کے بارے میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔

بیع کی حقیقت کے بارے میں احناف کا مسلک:

۱)..... بعض فقہاء احناف نے بیع کی تعریف میں " شئی مرغوب فیہ " کا ذکر کیا ہے، یعنی ان حضرات کے نزدیک " شئی مرغوب فیہ " کے ذریعہ " شئی مرغوب فیہ " کے تبادلے کا نام بیع ہے۔

صاحب بدائع الصنائع علامہ کاسانی اور صاحب درمختار علاء الدین حصکفی سے بیع کی یہی تعریف منقول ہے چنانچہ صاحب درمختار نے بیع کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے۔

" وشر عا مبادلة شئی مرغوب فیه بمثله علی وجه مفید "

(در مختار علی با مش رد لمختا ر : ۵۰۲/۴)

ترجمہ..... شئی مرغوب فیہ کا شئی مرغوب فیہ کے ذریعے مفید طریقہ پر تبادلہ کو شرعاً بیع کہا جاتا ہے۔

علامہ کاسانی سے بیع کی تعریف میں یہ الفاظ منقول ہے۔

" وهی مبادلة شئی مرغوب بشئی مرغوب "

(بدائع الصنائع : ۲۹۸/۶ :مطبعة الامام قاهره)

ترجمہ:..... شئی مرغوب کے ذریعے شئی مرغوب کا تبادلہ بیع ہے۔

ایک وضاحت:

بیع کی تعریف میں سب سے پہلے علامہ کاسانی ہی نے "شئی مرغوب" کا تذکرہ کیا ہے پھران کی تقلید میں صاحب درمختار نے اس لفظ کو ذکر کیا ہے۔ دیگر علماءِ احناف نے شئی مرغوب فیہ کے تبادلے کے بجائے " مبادلة المال بالمال " کو بیع قرار دیا ہے تو اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ آیا علامہ کاسانی اور صاحب درمختار کے نزدیک بیع میں مال کی شرط ضروری نہیں ہے۔ بلکہ ہر وہ شئی جو مرغوب فیہ ہو، اس کی خرید وفروخت ہوسکتی ہے، اس صورت میں بیع کی تعریف " حقوق ومنافع " کو بھی شامل ہوگی، مگر ایسا نہیں ہے۔ جن حضرات نے بیع کی تعریف " مبادلة شئی مرغوب فیه بشئی مرغوب فیه " کے ذریعے کی ہے ان حضرات کے نزدیک بھی " شئی مرغوب " سے مراد مال ہی ہے۔

چنانچہ علامہ کاسانی جن سے مذکورہ بالا تعریف منقول ہے۔ بدائع الصنائع ہی میں شرائط معقود علیہ کے ذیل میں بیع کی تعریف اس طرح کی ہے۔

" لان البيع مبادلة المال بالمال " (بدائع الصنائع ۲۹۸/۶)

اسی طرح صاحب درمختار نے شرح ملتقی الابحر میں صراحت کی ہے کہ " شئی مرغوب " سے مراد مال ہے (عربی مقالہ محمد تقی عثمانی: ص ۱۵)۔

اور علامہ ابن عابدین شامی نے صاحب درمختار کے قول "مرغوب فیہ" کے تحت لکھا ہے

" ای مامن شانه ان ترغب اليه النفس و هو المال "

(ردالمختار : ۵۰۲/۴)

لیکن ان حضرات کے نزدیک شئی مرغوب سے مال مراد ہے لہذا یہ تعریف ان فقہاء کرام کے موافق ہوگئی، جنہوں نے بیع کی تعریف میں مال کی شرط لگائی ہے۔

مذکورہ بالا تعریف پر نقد:

مذکورہ بالا تعریف میں شئی مرغوب فیہ کے ذریعے شئی مرغوب فیہ کے تبادلہ کو شرعاً بیع قرار دیا گیا ہے اور " مرغوب فیہ " سے مراد وہ شئی ہے جس کی طرف کل یا بعض لوگوں کا میلان قلب، اور ان کی رغبت ہو، خواہ وہ شئی مباح الانتفاع ہو یا نہ ہو۔ اس تعریف کے لحاظ سے اگر کوئی ذمی کسی مسلمان کے ہاتھ خمر (شراب) کی بیع کرلے تو اسے جائز ہونا چاہیئے۔ کیونکہ بحر حال خمر، شئی مرغوب فیہ ہے۔

ایک طبقہ کا اس کی طرف میلان قلب ہے۔مگر اس کے باوجود فقہاء اس کی تصریح کرتے ہیں کہ " خمر " مال نہیں ہے اگر اس کی بیع کسی مسلمان کے ہاتھ کی گئی تو جائز نہ ہوگا۔

چنانچہ علامہ السید احمد الطحطاوی صاحب درمختاری کی تعریف (مبادلة شئی مرغوب فیه بمثله) پر نقض کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

" ویرد علی هذا التعریف بیع الخمر من متعاطیه المسلم و قدصرح فی المحیط انه لیس بمال وانه لا ینعقد علیه العقد "

اور صاحب کنز کی تعریف کو راجح قرار دیتے ہوئے لکھا ہے

" فالا ولی ماذکره حافظ الدین فی الکنز من قوله :هو مبادلة المال بالما ل بالتراضی "

(حاشیه الطحطاوی علی درمختار: ۳/۳)

بعض فقہا نے " تملیک المال بالمال " کو شرعاً بیع قرار دیا ہے۔

صاحب دار المنتقی اور صاحب مجمع الانہر کی یہی رائے ہے۔ان حضرات کے نزدیک بیع کی تعریف میں تراضی کی قید ضروری نہیں ہے۔چنانچہ صاحب دار المنتقی نے بیع کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے ۔

" وشرعا (مبادلة المال) ای تملیک المال کما فی الدرایة (بمال) "

(دار المنتقی علی هامش مجمع الانهر : ۲/ ۳).

ترجمہ:..... یعنی مسال کے ذریعے مال کی تملیک کو شرعاً بیع کہا جاتا ہے۔

اسی طرح مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر میں بھی "مبادلۃ المال بالمال " کو شرعاً بیع قرار دیا ہے۔(مجمع الانہر:۳/۲)۔

تراضی کی قید:

علامہ ابن الہمام صاحب فتح القدیر، صاحب کفایہ، صاحب شرح عنایہ اور صاحب کنز نے بیع کی تعریف میں "مبادلۃ المال بالمال" کے ساتھ "تراضی" کی قید بھی لگائی ہے۔چنانچہ صاحب شرح عنایہ نے بیع کی تعریف اس طرح کی ہے۔

" والبیع فی اللغة: تملیک المال بالمال وزید علیه فی الشرع فقیل هو "

" مبادلة المال بالمال بالتراضی بطریق الاکتساب "

(شرح عنایه علی هامش فتح القدیر : ۵/ ۴۵۹ ، ۴۰۰)

ترجمہ:..... بیع لغت میں تملیک المال بالمال کا نام ہے اور شریعت میں اس پر اضافہ کر کے کہا گیا ہے کہ رضامندی کے ساتھ بطریق اکتساب مال کا تبادلہ مال کے ساتھ بیع ہے۔

اور صاحب کفایہ نے بیع کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے۔

" البیع مبادلة المال بالمال بالتراضی "

(کفایه مع فتح القدیر :۵/۴۵۴)

محقق ابن الھمام کہتے ہیں کہ باعتبار لغت بھی بیع کی تعریف میں " تراضی " کی قید ملحوظ ہے۔ کیونکہ جب کوئی شخص کہتا ہے کہ زید نے اپنا غلام فروخت کیا تو باعتبار لغت وعرف بھی یہی سمجھا جاتا ہے کہ اس نے اپنی رضامندی سے اپنے غلام کا تبادلہ " ثمن " سے کیا ہے۔

اس لئے غصب کے ذریعے کسی کے مال کو لینے اور کسی شخص کو بغیر رضامندی کے کوئی چیز دینے کو اہل لغت " بیع " سے تعبیر نہیں کرتے ہیں۔

" والذی یظهران التراضی لا بدمنه ایضاً لغة فانه لا یفهم " من باعه " وباع زید عبده الا انه استبدل به بالتراضی ، وان الا خذ غصبا واعطاء شئی آخر من غیر تراض لا یقول فیه اهل اللغة باعه " .(فتح القدیر : ۵/۴۵۵)

شارح کنز علامہ فخر الدین الزیلعی کا خیال ہے۔ کہ بیع کی تعریف میں تراضی کی قید کا لحاظ ضروری ہے اور تراضی کی قید کیساتھ بیع کا مقید ہونا خود آیت قرآنی: " الاّ ان تکون تجارة عن تراض " سے ثابت ہے۔

چنانچہ علامہ زیلعی صاحب کنز کی عبارت " مبادلة المال بالمال بالتراض " کے تحت لکھتے ہیں۔

" هذا فی الشرع وفی اللغة هو مطلق المبادلة من غیر تقید با لتراضی و کونه مقیداًبه ثبت شرعا لقو لا تعالی ، الا تکون تجارة عن تراض " (تبین الحقائق :۴/۲)

بیع کی راجح تعریف:

بیع کی مذکورہ بالا جملہ تعریفات جامع اور مانع نہیں ہیں۔ یہ تمام تعریفات ہر قسم کے مال کو شامل وعام ہیں۔ چاہے وہ شرعا مباح الانتفاع ہو یا نہ ہو اور چاہے وہ مال متقوم ہو یا غیر متقوم۔ نیز ان تعریفات کی رو سے ایک ذمی کے لیے مسلمان سے خمر کی بیع درست قرار پائے گی حالانکہ شریعت اسلامی صرف ان ہی اموال کی خرید فروخت کو جائز قرار دیتی ہے جو متقوم اور شرعا مباح الانتفاع ہیں۔

ان تعریفات کے مقابلے میں "صاحب الاختیار لتعلیل المختار" کی تعریف زیادہ جامع اور ہر قسم کے نقص اور اعتراض سے محفوظ ہے۔ چنانچہ بیع کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

" مبادلة المال المتقوم بالمال المتقوم تملیکا وتملکا "

(الاختیار التعلیل المختار لا بن محمود الموصلی ۳/۲) .

بیع کی مذکورہ بالا تعریف (مبادلة المال المتقوم بالمال المتقوم تمليكا وتملكا) فقہائے احناف سے منقول ہیں۔ یہ حضرات بیع کی تعریف میں مال کی شرط کو ضروری اور جوہری قرار دیتے ہیں۔ اور انہیں چیزوں کی خرید وفروخت کے جواز کے قائل ہیں جو شرعاً مال ہیں، غیر اموال کی بیع ان کے نزدیک جائز نہیں ہے، چنانچہ علامہ ابن عابدین شامیؒ نے درمختار کی عبارت " مرغوب فیہ " کے تحت لکھا ہے۔

" ای مامن شانه ان ترغب اليه النفس وهو المال، ولهذا احتر ز به الشارح عن التراب والميتة والدم فانها ليست بمال " . (ردالمختار : ۵۰۲/۴) .

یعنی مرغوب فیہ سے مراد وہ شئی ہے جس کی طرف نفس کی رغبت ہو اور وہ مال ہے اور اسی وجہ سے شارح نے تراب (مٹی)، میتہ (مردار) دم (خون) سے احتراز کیا ہے۔ اس لیے کہ یہ چیزیں مال نہیں ہیں۔

اور درمختار میں ہے: " خرج غير مرغوب كتراب ومتية د م "

(درمختار على هاش الطحطاوى : ۳/۳) .

یعنی مرغوب فیہ کی قید سے غیر مرغوب مثلاً مٹی، مردار اور خون نکل گیا۔

نیز حنفیہ کے نزدیک مال صرف اعیان اور مادی اشیاء کے ساتھ خاص ہے:

شافعیہ، حنابلہ اور مالکیہ بھی بیع کی تعریف میں مال کا تذکرہ کرتے ہیں، مگر شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک مال عام ہے اعیان اور منافع دونوں کو شامل ہیں۔ شافعیہ کے نزدیک بیع کی تعریف " بيع منفعت على سبيل التا بيد " کو شامل ہے اسی طرح حنابلہ کے نزدیک بھی بیع اعیان ومنافع دونوں کے تبادلہ کا نام ہے۔ مالکیہ کے نزدیک ابن عرفہ کی تعریف کے مطابق بیع صرف مادی اشیاء کے ساتھ خاص ہے منافع کو شامل نہیں ہے۔ البتہ بعض حقوق ومنافع کی بیع کا جواز مالکیہ سے ثابت ہے ائمہ ثلاثہ کا مسلک اس سلسلہ میں حسب ذیل ہے۔

بیع کی حقیقت کے بارے میں شوافع کا مسلک:

شافعیہ کی ترجمانی کرتے ہوئے علامہ نووی نے، " المجموع شرح المهذب " میں بیع کی تعریف اس طرح کی ہے۔

" واما حقيقة البيع فى اللغة فهو مقابلة الما ل بالمال او نحوه تمليكا "

(المجموع شرح المهذب للنووى : ۱۴۹/۹ : دار الفكر).

یعنی لغت میں " تبادلة مال بالمال " کو بیع کہتے اور شریعت کی اصطلاح میں تبادلۂ مال بالمال یا اس کے مثل کے تبادلہ کو تملیکا بیع کہا جاتا ہے اس تعریف میں " نحوہ " کا لفظ غیر مال مثلاً منفعت اور حق وغیرہ کو شامل ہے۔

ابن شہاب الرملیؒ نے بیع کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے۔

" ھو لغة : مقابلة شئی بشئی وشرعا : عقد یتضمن مقابلة مال بالمال بشر طه الاتی لاستفادة ملک عین او منفعة مؤبدة " . (نهایة المحتاج الی شرح المنهاج : ۳/ ۳۶۱).

ترجمہ:...... لغت میں ایک شئی کے تبادلہ کو دوسری شئی کے ذریعے بیع کہتے ہیں۔اور شرعاً بیع ایسا عقد ہے جو آنے والی شرطوں کے ساتھ، تبادلہ مال بالمال کو شامل ہوتا ہے تا کہ اس کے ذریعے ملک عین یا منفعت موبدة سے استفادہ کیا جائے۔یعنی اگر مادی اور عینی شئی سے تبادلہ کیا جائے۔تو اس صورت میں اس عین پر بیع کے ذریعے ملکیت ثابت ہوتی ہے۔اور اگر منفعت موبدہ کی بیع کی جائے۔تو اس پر ملکیت ثابت ہوتی ہے اور اس ملکیت کے نتیجے میں اس سے استفادہ و انتفاع کا حق حاصل ہوتا ہے۔علامہ شربینی خطیب نے بیع کی تعریف کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے۔

" عقدمعاوضة مالیة یفید ملک عین او منفعة علی التابیة " .

(مغنی المحتاج للشربیتی : ۲/۳) .

ترجمہ:...... یعنی بیع ایک ایسے مالی معاوضہ کا نام ہے جو ملک عین یا منفعت علی التابید کا فائدہ دیتا ہے۔مذکورہ بالا تعریفات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ شوافع کے نزدیک اگر چہ بیع کی تعریف میں مال کی قید ذکر کی گئی ہے۔مگر ان حضرات کے نزدیک مال صرف مادی اشیاء اور اعیان کیساتھ خاص نہیں ہے۔بلکہ اعیان اور منافع دونوں کو شامل ہے۔اس لئے شوافع کے نزدیک جس طرح مادی اشیاء اور اعیان کی بیع درست ہے اسی طرح حقوق اور منافع کی بیع بھی دوست ہے۔اسی طرح قاضی بیضاوی نے العایۃ القصوی میں لکھا ہے۔

" البیع تملیک عین او منفعة علی التابید بعوض مالی " .

(العایة القصوی : ۱/۴۵۵) .

ترجمہ:...... کسی مال کے عوض کسی عین یا منفعت کا ہمیشہ کیلئے مالک بنا دینا بیع کہلاتا ہے۔

علامہ ابن حجر ہیثمی رحمہ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

" عقد یتضمن مقابلة مال بمال بشر طه الا تی لا ستفادة ملک عین اومنفعة موبدة " .

(تحفة المحتا ج علی شرح المنها ج : ۴/۲۱۵).

ترجمہ:...... بیع ایک ایسا عقد ہے جس میں مال کا تبادلہ مال سے ہو آنے والی شرطوں کیساتھ تا کہ کسی عین یا دائمی منفعت کی ملکیت حاصل ہو جائے۔

صاحب تحفۃ المحتاج کی مذکورہ تعریف پر چند اعتراضات کرنے کے بعد اس کے محشی شیخ عبد الحمید شروانی بیع کی تعریف کے سلسلے میں تحریر فرماتے ہیں۔

" وقد سلم من هذا الا يرادات قول بعضهم عقد معاوضة مالية تفيد ملك عين او منفعه على التابيد " (حواشي الشرواني على تحفة المحتاج : ۲۱۵/۴)

ترجمہ:...... ان اعتراضات کی وجہ سے بعض لوگوں کا قول تسلیم کرلیا گیا کہ بیع مالی معاوضہ کا عقد ہے۔ جو کسی متعین مادی شئی یا دائمی منفعت کی ملکیت کا فائدہ دے۔ نیز علامہ شروانی نے ابن حجر ہیثمیؒ کے قول مؤبدہ کے تحت لکھا ہے۔

" كحق الممر اذا عقد عليه بلفظ البيع "

(حواشي الشرواني على تحفة المحتاج: ۲۱۵/۴)

ترجمہ:...... جیسے گزرنے کا حق جبکہ اس پر لفظ بیع کے ذریعے معاملہ طے کیا جائے۔

ابن حجر تحریر فرماتے ہیں:

" من المنافع شرعا حق الممر بارض او على سطح جاز كما يأتى في الصلح تملكه با لعوض على التابيد بلفظ البيع مع انه محض منفعة اذ لا تملك به عين للحاجة اليه على التابيد "

(تحفة المحتاج : ۲۳۹/۴-۲۴۰)

ترجمہ:...... شرعا منافع میں سے زمین یا چھت پر سے گزرنے کا حق ہے عوض لے کر ہمیشہ کیلئے اس کا مالک بنانا جائز ہے۔ جیسا کہ کتاب الصلح میں آئے گا۔ جبکہ لفظ بیع کے ذریعے معاملہ طے کیا جائے باوجود یہ کہ یہ محض منفعت ہے۔ کیونکہ بیع کے ذریعے کسی مادی شئی کا مالک نہیں بنایا جاتا پھر بھی ضرورت کیوجہ سے اس کو جائز قرار دیا گیا۔

مذکورہ بالا تمام تعریفات سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ بیوع کے اندر لوگوں کی ضرورتوں کا بھی خیال رکھنا ضروری ہے۔

بیع کی حقیقت کے بارے میں حنابلہ کا مسلک:

شوافع اور حنابلہ دونوں کے نزدیک بیع کی تعریف جس طرح مادی اشیاء اور اعیان کو شامل ہے اسی طرح حقوق ومنافع کو بھی شامل ہے۔ کیونکہ ان دونوں مسلکوں میں بیع کی تعریف میں مال کی شرط ضروری نہیں ہے۔ بلکہ بیع کی تعریف میں عموم ہے اس اعتبار سے کہ خواہ مبادلہ مال بالمال ہو یا مبادلہ مال بالمنافع ہو دونوں صورتوں میں بیع منعقد ہو جائے گی۔ جیسا کہ فقہ حنبلی کے مشہور امام اور فقہ حنبلی کے ترجمان امام علاؤالدین المرداوی الحنبلیؒ نے "الانصاف" میں بیع کی مختلف تعریفات ذکر کرنے اور ہر ایک پر نقض وارد کرنے کے بعد لکھا ہے:

" هو عبارة عن تمليك عين ما لية او منفعة مباحة على التابيد بعوض مالى "

(الا نصاف للمرداوى :۲۶۰/۴)

یعنی عوض مالی کے ذریعے عین مالی یا منفعت مباحہ علی التابید کی تملیک کا نام بیع ہے۔

اسی طرح شیخ منصور بن یونس البہوتی الحنبلی شرح المنتہی میں بیع کی تعریف ان الفاظ میں تحریر فرماتے ہیں:

" مبادلة عين مالية ..... او منفعة مباحة مطلقابان لا تختص ابا حتها بمال دون آخر با حدا هما اى عين مالية أو منفعة مباحة مطلقاً "

(شرح المنتقى على هامش كشاف القناع عن الاقناع : ۲/۲)

ترجمہ:..... کسی مالیت رکھنے والی شئی یا مطلق مباح منفعت کا تبادلہ کسی دوسری مالیت رکھنے والی شئی یا مطلق مباح منفعت سے (جس کی اباحت کسی چیز کے ساتھ خاص نہ ہو) بیع کہلاتا ہے۔اور چونکہ منافع کی بیع بھی جائز ہے اس لیے آگے فرماتے ہیں:

یعنی کسی کتاب کی بیع کتاب سے یا کتاب کی بیع حق مردر سے یا حق مرور کی بیع کتاب سے، یا کسی گھر کے حق مردر کی بیع دوسرے گھر کے حق مردر سے جائز ہے۔

اسی طرح کشاف القناع متن الاقناع میں ہے:

کسی دوسرے کی ملکیت میں گزرگاہ خریدنا یا کسی کی دیوار میں مخصوص حصہ کا خریدنا تاکہ اس میں دروازہ کھول سکے یا کسی کی زمین میں کنواں کھودنے کے لیے مخصوص حصہ خریدنا یا کسی کے مکان کے اوپر والے حصہ کو خریدنا تاکہ وہ اپنا مکان بنا سکے یا اس پر لکڑی رکھ سکے ان سب کی خرید وفروخت جائز ہے۔بشرطیکہ یہ تمام چیزیں معلوم اور متعین ہو اور جہالت باقی نہ رہے، جائز اس لیے ہے کہ یہ بائع کی ملکیت ہے اور اس کو اپنی ملکیت فروخت کرنے کا حق ہے۔ (كشاف القناع عن متن الاقناع).

خلاصہ یہ کہ حنابلہ کے نزدیک بھی اعیان کی طرح منافع مال ہیں اور ان کی بیع جائز ہے۔

بیع کی حقیقت کے بارے میں مالکیہ کا مسلک:

حضرات مالکیہ کے نزدیک بھی بیع صرف مادی اشیاء کی ہوسکتی ہے منافع کی بیع ان کے نزدیک بھی جائز نہیں ہے۔لیکن جب ان کی کتابوں کا مطالعہ کیا جائے تو ان سے یہ واضح ہوتا ہے۔کہ جس طرح بیع مادی اشیاء کی ہوتی ہے اس طرح منافع کی بیع بھی ہوسکتی ہے۔

مالکیہ کے نزدیک بیع کی سب سے مشہور تعریف وہ ہے۔جس کو " ابن عرفه " نے نقل کیا ہے:

" عقد معاوضة على غير منافع ولا متعة لذة "

ترجمہ:..... بیع ایک ایسا عقد معاوضہ ہے جو نہ تو منافع پر کیا جائے اور نہ ہی لذت حاصل کرنے کے لیے:

چنانچہ ابن عرفہ کی اس تعریف سے واضح ہوتا ہے کہ بیع صرف مادی اشیاء کی درست ہے نہ کہ منافع کی بیع البتہ زرقانی نے موطاء کی شرح میں بیع کی تمام اقسام کو ذکر کرتے وقت ایک قسم منافع کی بیع کا بھی ذکر فرمایا ہے۔تو اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ مالکیہ کے نزدیک بھی منافع کی بیع جائز ہے۔

امام زرقانی کی عبارت یہ ہے:

" البیوع جمع بیع ، وجمع لا ختلاف انواعه کبیع العین ، وبیع الدین ، وبیع المنفعة "

(شرح الزرقانی علی الموطاء : ۳/ ۲۵).

ترجمہ:..... بیوع، جمع ہے بیع کی، اس کی جمع اس لیے لائی گئی ہے کہ اس کی مختلف قسمیں ہیں جیسے کہ عین کی بیع، دین کی بیع اور منفعت کی بیع۔

المدونۃ الکبریٰ میں جو عبارت منقول ہے۔اس سے بھی یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ مالکیہ کے نزدیک منافع کی بیع جائز ہے۔جیسا کہ امام سحنون بن سعید قنوخی نے عبدالرحمٰن بن القاسم سے اور انہوں نے امام مالک سے روایت کی ہے:

" (قلت) ارأیت ان اشتریت طریقا فی دار رجل ، ایجوز هذا فی قول مالک (قال) نعم (قلت) وکذالک لوباعه موضع جذوع له من حائطه یحمل علیها جذوعا له (قال) نعم هو ایضاً قوله اذا وصف الجذوع التی تحمل علی الحائط " . (المدونة الکبریٰ : ۴/۲۱۸)

ترجمہ:..... امام سحنون بن سعید قنوخی نے عبدالرحمٰن بن القاسم سے پوچھا کہ آپ کا کیا خیال ہے کہ اگر میں کسی شخص کے گھر میں راستہ خریدوں تو کیا یہ امام مالک کے نزدیک جائز ہے انہوں نے جواب دیا کہ ہاں پھر پوچھا کہ اس طرح اگر کوئی شخص اپنی دیوار کی لکڑی کی جگہ فروخت کرلے تاکہ خریدنے والا شخص اپنی لکڑی اس پر رکھ سکے تو کیا یہ جائز ہے۔جواب دیا کہ ہاں یہ بھی امام مالک کا قول ہے بشرطیکہ اس لکڑی کا وصف بیان کردے جو دیوار پر رکھی جائے گی۔

اسی کے آگلے صفحے پر ہے:

" (قلت) ارأیت ان باع عشرة اذرع من فوق عشرة اذرع من هواء هوله ایجوز هذا فی قول مالکؒ ؟ (قال) لایجوز هذا عندی ولم اسمع من مالک فیه شیئاً الا ان یشترط له بناء یبنیه لان یبنی هذا فوقه، فلا بأس بذالک (قلت) ارأیت ان بعت مافوق سقفی عشرة اذرع فضاءً عداً ولیس فوق سقفی بنیان ایجوز هذا (قال) هذا عندی جائز " . (المدونة الکبریٰ : ۴/ ۲۱۹) .

ترجمہ:..... میں نے پوچھا کہ آپ کیا فرماتے ہیں: اگر کوئی شخص اپنی فضاء میں دس ذراع کے اوپر کی دس ذراع فضا فروخت کرلے تو کیا یہ حضرت امام مالکؒ کے قول کے مطابق جائز ہوگا؟ انہوں نے فرمایا کہ یہ میرے نزدیک جائز نہیں ہے اور نہ ہی امام مالکؒ سے اس کے متعلق کچھ سنا ہے۔البتہ اگر اس پر عمارت بنانے کی شرط لگادے تاکہ اس کے اوپر سے وہ اپنی عمارت بنا سکے تو اس کے خریدنے میں کوئی حرج نہیں ہے، میں نے پوچھا کہ آپ کا کیا خیال ہے۔اگر میں اپنی چھت کے اوپر دس ذراع یا اس سے زائد فروخت کروں جبکہ میری چھت کے اوپر کوئی عمارت نہ ہو تو کیا یہ جائز ہے۔انہوں نے فرمایا یہ میرے نزدیک جائز ہے۔

مدونۃ الکبری کی مذکورہ بالا عبارتوں سے یہ معلوم ہوا کہ مالکیہ کے نزدیک کسی کے مکان کے اندر راستہ خریدنا، کسی کی دیوار سے کڑی رکھنے کی جگہ خریدنا تاکہ اپنی کڑی رکھ سکے وغیرہ جائز ہے۔

اسی طرح یہ بھی جائز ہے کہ حق شرب کو فروخت کرے۔اس سے ظاہر ہوا کہ ابن عرفہ نے جن منافع کو بیع کی تعریف سے خارج کیا ہے۔وہ منافع موقتہ ہیں۔اور جہاں تک منافع موبدہ کا سوال ہے۔تو اس کی بیع مالکیہ کے نزدیک بھی جائز ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ آئمہ ثلاثہ (حضرت امام مالکؒ، حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ) کے نزدیک مادی اشیاء اور حقوق ومنافع دونوں کی بیع جائز ہے۔گویا کہ ان حضرات کے نزدیک مال کی شرط جوہری نہیں ہے۔

(جاری ہے.....)۔

.....☆☆☆☆☆.....